ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.4 (2025)
(October to December)

جوش ملیح آبادی کے مرثیوں میں اسلامی تشخص

Islamic Identity in the Elegies(Marsiha) of Josh Malihabadi

ساجد رضا خان

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر صائمہ اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Sajid Raza Khan
Ph. D Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
Dr. Saima Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

Abstract:
In Josh's elegies, the fundamental Islamic beliefs, *Tawhid* (the oneness of God) Risalat (prophet hood) Adl (justice) and Qiyamat (the Day of Judgment) appear with great intensity. He presents Imam Hussain's sacrifice as the true source of Islam's strength and continuity. According to him, the battle of Karbala was in fact an eternal struggle between truth and falsehood, in which Hussain's victory ensured the supremacy of Islam's core message: divine unity and justice. Josh makes it clear that without the moral stance of Imam Hussain, Islamic civilization would have been reduced to a mere political system. His awareness elevates Islamic identity beyond ritualistic practices and links it to intellectual and ethical principles. For him, *Hussainiyat* is not simply a religious commemoration but a reservoir of collective consciousness against oppression, showing the practical path to preserving Islamic identity. Although Josh benefited from the traditional structure of the elegy, his style is not confined to lamentation.

Keywords: Tawhid, Prophet hood, Justice, Karbala, Husain's Sacrifice, Islamic Identity, Moral Principles, Social Justice

جوش ملیح آبادی کے مرثیے اسلامی تشخص کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ان میں عقیدہ و عمل کی وحدت، قرآنی اسلوب کی جھلک، کربلا کی انقلابی روح، امتِ مسلمہ کی بیداری، اور عدل و حق کے لیے جدوجہد کا پیغام یکجا ملتا ہے۔جوش نے مرثیہ کو صرف غم واندوہ کی روایت نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک فکری اور دینی تحریک کی شکل دی۔یہی ان کی مرثیہ نگاری کی اصل طاقت ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کے جوہر کو اجاگر کرتی ہے اور قاری کو اپنے دین، اپنی تاریخ اور اپنے اجتماعی کردار کا شعور عطا کرتی ہے۔جوش ملیح آبادی کا اصل نام شبیر حسن خاں تھا تخلص جوش اختیار کیا۔۵ دسمبر ۱۸۹۸ء کو ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔جوش کی وفات ۲۲ فروری ۱۹۸۲ء چوراسی سال کی عمر میں اسلام آباد میں ہوئی۔اپنی تاریخ پیدائش کے بارے میں جوش "یادوں کی برات" لکھتے ہیں:

"میرے خاندان میں بچوں کی تاریخ ولادت درج کرنے کا رواج ہی نہیں تھا۔ البتہ میری دادی جان جو خاندان کی مورخ تھیں انھوں نے میری ولادت کا جو سن بتایا تھا وہ سن عیسوی کے حساب سے ۱۸۹۶ء تھا یا ۱۸۹۸ء یہ بھی یاد نہیں رہا۔ بہر حال اپنی عمر کو دو برس اور بڑھا دینے میں نقصان ہی کیا ہے۔ اس لیے آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوا تھا۔ البتہ یہ بخوبی یاد ہے کہ دادی مان نے فرمایا تھا کہ بیٹا تو صبح چار بجے پیدا ہوا تھا۔"(۱)

جوش کی شخصیت میں ان کا خاندانی پس منظر موجود رہا۔ انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اس ماحول کا اثر اس کی شخصیت پر ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ جوش کے خاندانی اثرات کے متعلق سید احتشام حسین 'افکار جوش،" جوش ایک تعارفی مطالعہ "میں لکھتے ہیں:

"خاندانی خوبیوں اور خامیوں کا احساس نفس پر اثر انداز ہوتا ہے ان سے چھٹکارا حاصل کرنے میں شدید ذہنی کشمکش پیش آتی ہے۔ جوش کو اپنے افغانی ہونے کا خیال برابر آتا ہے۔ وہ اپنے آباو اجداد کا صاحب سیف و قلم ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی عمارت، ثروت، دولت، عیش پرستانہ زندگی اور ان کی سخاوت، غربا پروری، شرافت اور شان سے متاثر ہیں جس کی جھلک ان کی سیرت اور شاعری دونوں میں نظر آتی ہے۔"(۲)

جوش خاندانی پس منظر کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ اسکول اور کالج کی تعلیم باقاعدہ حاصل نہیں کی اس کی بنیادی وجہ جاگیر دارانہ ماحول کے ساتھ ساتھ جوش کی طبیعت میں فطرت کے اسرار ڈھونڈنے کی لگن بھی کار فرما تھی۔ انھوں نے عربی فارسی گھر پر پڑھی اور اس پر عبور حاصل کیا۔ مرزا ہادی رسوا ان کے عربی کے معلم تھے فارسی اور اُردو کی تعلیم قدرت اللہ بیگ ملیح آبادی، مولانا احمد خاں ملیح آبادی اور مولانا طاہر سے حاصل کی جوش اپنی تعلیم کے متعلق اپنی خود نوشت "یادوں کی برات" میں لکھتے ہیں:

"عشق کی طرح مجھ کو حصول علم کا چسکا بچپن ہی سے تھا۔ میرے دن کتابوں کے مطالعے، شعرا کی تخلیق، علما و شعرا کی صحبتوں میں بسر ہوا کرتے تھے۔"(۳)

جوش کی رسمی تعلیم اگرچہ کم تھی لیکن ان کا مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ جس موضوع پر بات کرتے اس کی تمام جزئیات بیان کرنے پر قدرت رکھتے تھے جوش نے مظاہر فطرت سمیت کتب سے بھرپور استفادہ کیا جوش انتہائی ذہین اور صاحب مطالعہ انسان تھے ۔جوش کی شاعری کی ابتداء غزلوں سے ہوئی اس کی وجہ سے جوش کے اطراف میں موجود غزل کا ماحول ہے جوش کے گھر مشاعرے ہوتے تھے لکھنؤ کے بڑے شعرا ان کے ہاں بلائے جاتے تھے۔ جوش نے ان مشاعروں سے اثر قبول کیا۔ جوش "یادوں کی برات" میں رقم طراز ہیں:

"میں نے شاعر بننے کی تمنا کبھی نہیں کی۔ بلکہ شعر خود خواہش آں کرد کہ گردو فن ما۔ میں شاعری کے پیچھے نہیں دوڑا، شاعری نے خود میرا تعاقب کیا اور نو برس کی عمر میں ہی مجھ کو پکڑ لیا۔ اگر شاعری کوئی اچھی شے ہے تو واللہ میں کسی آفرین کا مستحق نہیں ہوں اور وہ اگر کوئی بری چیز ہے تو خدا کی قسم میں کبھی ملامت کا بھی سزاوار نہیں۔"(۴)

انسان مختلف کیفیات کا مظہر ہے۔ انسان روتا ہے رلاتا ہے، ہنستا ہنساتا ہے، یا اداس ہوتا ہے تو لمحہ موجود اسے رلا دیتا ہے اور اداسی کی گھڑیوں میں خوشی کا سامان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی کیفیات کا اظہار چاہتا ہے۔ دکھ کی گھڑی میں دلاسہ چاہتا ہے اور رو کر اس کیفیت کو بیان کرتا ہے خوشی کی گھڑی میں ہنستا ہے مسکراتا ہے اور دیگر احباب کو شامل کرتا ہے بعض اوقات خوشی کے لمحے آنسوؤں سے بھر جاتے ہیں جنھیں انسان ''خوشی کے آنسو'' کہتا ہے انسان کی یہ کیفیات اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہیں آدم سے فطرت کا جبر کہیں یا کرم، انسان آدم سے ایں دم تک کبھی ان کیفیات سے خالی نہیں ہوا انسان نے احساسات و جذبات کے اظہار کے لیے اشاروں سے زبان تک کا سفر طے کیا۔ عقل کی پختگی نے اسے زبان کے اظہار کا سلیقہ سکھایا اور جذبات کے اظہار میں سہولت فراہم کی۔ ویسے تو کوئی بھی جذباتی جملہ یا منظر انسان کی آنکھ نم کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ تاہم خوشی کی کیفیات مختلف ہو سکتی ہیں مگر غم کا اظہار انسانوں میں یکساں رہا ہے اللہ رب العزت نے نمکین پانی کی شکل میں آنسوؤں کی تخلیق کو انسانی دکھ کے اظہار کا آسان وسیلہ قرار دیا ہے۔

انسان کی آنکھوں سے رخساروں تک سفر کرتے یہ موتی صبر کی دہلیز سے رخصت ہوتے ہیں ضبط کی سلطنت سے خارج ہو کر زمین قلب پر برسائے جاتے ہیں۔ آنسو رشتوں کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ اپنے رشتوں کے لیے ان کی کیفیت الگ ہوتی ہے اغیار کے لیے نکلتے ہیں مگر جان کا روگ نہیں بنتے۔ اسی طرح قابل تقلید شخصیت کے لیے آنسوؤں کی کیفیت جدا ہوتی ہے مظلوم لیے درد کی حالت یکسر تبدیل ہو جاتی ہے بچپن کی محرومی الگ ہے تو جوانی کے درد جدا، ادھیڑ عمری کی تکالیف علیحدہ ہیں تو جوانی کے مصائب اور، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اظہار کا طریقہ یکساں ہے اور وہ آنسو ہیں۔ انسان معین حیات کے ساتھ کائنات میں بھیجا جاتا ہے۔ عمر طبیعی گزارنے کے بعد انسان روح کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے موت کا دکھ اس وقت زیادہ ہو جاتا ہے جب مرنے والے سے روحانی تعلق ہو انسانی زندگی کی اساس جن ہیجانات اور پھر ان سے جنم لینے والے جن جذبات و احساسات پر استوار ہے ان میں شدت غم اور پھر اثرات کی ہمہ گیری کے لحاظ سے غم یقیناً بے حد اہم قرار پاتا ہے اور غم بھی اپنوں کی موت کا درد! اگر یہ درد کسی واقعے کی شکل میں ہو تو اس کے اظہار اور یاد میں زیادہ کرب پایا جاتا ہے۔

کائنات میں سیکڑوں ایسے واقعات ہوتے ہیں جو انسانی دماغ کے ساتھ ساتھ انسانی تہذیب پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں مذہبی واقعات سماج پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات عقیدت کے رنگ میں یاد رکھے جاتے ہیں۔ انسانی مذہبی تاریخ میں جہاں متعدد واقعات ہوئے ان میں بہت سارے واقعات تلمیحات کی شکل میں انسانی زبان کا محفوظ حصہ بن گئے تو کچھ رسومات کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں ایسے تاریخی سانحات میں ایک واقعہ کربلا ہے۔ اکسٹھ ہجری کو کربلا عراق میں پیش آنے والے یہ سانحہ انسانی تاریخ کا الم ناک سانحہ ہے۔ اس سانحہ کو انسانی دستیاب تاریخ میں سب سے زیادہ بلا تفریق مذہب یاد رکھا گیا۔ کربلا کو یاد رکھنے میں بنیادی کردار عزاداری کا ہے۔ عزاداری کی رسومات میں مرثیے کو انتہائی اہم حیثیت حاصل ہے

مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے جو رثا سے نکلا ہے جس کے معنی رونے کے ہیں۔ مرثیہ ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی عزیز کی موت پر اظہار الم کیا گیا ہو۔ کسی عزیز انسان کی موت پر انسان کا بے چین ہو جانا اور اس بے چینی کے عالم میں اس کی آنکھوں سے گنگا جمنا کا پھوٹ پڑنا ایک فطری عمل ہے اور مرثیہ چونکہ ان بہتے ہوئے آنسوؤں کی مکتوبی شکل ہے اس لیے کہ سکتے ہیں کہ مرثیہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا انسان خود۔ مرثیہ کی صنف بھی دیگر اصناف کی طرح اردو میں فارسی سے درآمد کی گئی ہے۔ تاہم علمائے اردو عربی سے بھی استفادہ کرتے ہیں ''جدید نسیم اللغات'' میں مرثیہ کے معنی ہیں:

"مردے کا وہ بیان جس سے رحم اور درد پیدا ہو۔ وہ نظم جس میں کسی کی وفات کا بیان درج ہو شہدائے کربلا کا تذکرہ دردناک لہجے میں جو بشکل مسدس نظم کیا جائے۔"(۵)

مرثیہ عرب کی پیداوار ہے اُردو ادب میں سے مرثیہ ایران پہنچا ہے لیکن ہمارے ادب میں اب مرثیہ وہ مقام حاصل کر چکا ہے جو شاید عرب کے ریگزاروں اور کوفے کی یخ بستہ فضاؤں میں بھی مرثیے کو حاصل نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ خیال تک ذہن میں نہیں آتا کہ مرثیہ عرب ایران سے ہوتا ہوا ہماری سرزمین تک پہنچا ہے۔ اس حقیقت کو شواہد کے بغیر بھی مانا جا سکتا ہے کہ مرثیہ کا ظہار انسانی تاریخ کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ خوشی اور غم انسانی زندگی کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ انسان فطرت کے جبر سے آزاد نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اس کے دکھ یا سکھ کے اظہار کی کیفیات یکساں ہیں۔ مرثیے کی تعریف کے ضمن میں مولوی سید احمد دہلوی "فرہنگ آصفیہ" میں رقم طراز ہیں:

"مردے کا وہ بیان جس سے رحم اور درد پیدا ہو۔ اوصاف مردہ کی صفت، ماتم سیاپا رونا پیٹنا، وہ نظم یا اشعار جس میں کسی شخص کی وفات یا شہادت کا حال اور اس کے رنج و غم کا بیان درج ہو مجازا" وہ اشعار جس میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت، اہل بیتؑ کی مصیبت، کربلا کے واقعات کا غم انگیز بیان کیا جائے یہ نظم خواہ کسی قسم کی ہو اگر وہ نظم رباعی یا قطعہ یا غزل یا قصیدے کی طرز پر ہو گی تو اسے مجر یا سلام کہیں گے اور یہ التزام ضرور رکھیں گے کہ اس کے مطلع یعنی اول شعر میں لفظ مجرایا سلام، سلامی یا مجرائی ضرور لائیں گے اور اگر مستزاد کیوضع پر ہو تو اسے نوحہ کہیں گے اور جو مسبط، ترجیع بند یا ترکیب بند کے طور پر ہو گی تو اسے مرثیہ۔"(۶)

مرثیے کا تعلق رونے اور رلانے سے ہے اُردو زبان میں مرثیہ ذاتی اور اجتماعی بھی لکھا جاتا ہے تاہم مرثیہ کی یہ صنف اب واقعہ کربلا سے مخصوص ہے مرثیہ کی ابتداء، حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے، پہلا مرثیہ حضرت آدمؑ نے اپنے بیٹے ہابیل کی موت پر کہا تھا۔ مرثیہ کی ابتدا عرب سے ہوئی عرب کے لوگوں نے اپنے تفاخر کے لیے قصائد اور رجز کی ابتدا کی اپنے خاندانی وقار پر فخر اور نسب پر برتری جتائی اپنے مرنے والوں کی یاد میں مرثیے کہے قدیم عرب میں رسم تھی کہ جب میت پر عورتیں نوحہ کر چکی تھیں تو خاندان کا ایک ایسا شخص جس میں شاعرانہ اہلیت موجود ہوتی تھی مرنے والے کی خوبیاں منظوم انداز میں پڑھنا تھا ان مرثیوں میں اس بات پر بھی زور دیا جاتا تھا کہ موت زندگی کا یقینی نتیجہ ہے اور اس بات سے کسی صورت مفر نہیں ہے عرب کے تقریباً تمام بڑے شعرا نے مرثیے کو اپنے کلام مستقل جگہ دی ہے۔ یہی وجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ عرب کے تمام معتبر شعرا کے ہاں مرثیوں کی موجودگی یقینی امر ہے۔ عرب کی شاعری میں مرثیہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حماسہ ابو تمام سے لے کر بہت بعد کے زمانے تک کوئی تذکرہ ایسا نہیں جس میں مرثیہ کو ایک مستقل جگہ نہ دی گئی ہو۔ زمانہ جاہلیت کا ادب رزمیہ شاعری اور مرثیہ سے بھرا نظر آتا ہے۔ شعرائے عرب اس وقت مرثیہ کہتے تھے جب وہ واقعی کسی سانحے سے متاثر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سوائے اپنے عزیز و اقارب کے کسی غیر پر نوحہ و فریاد کرتے نظر نہیں آتے ہیں۔ چونکہ وہ جذبات و غم کی فروانی سے متاثر ہو کر مرثیہ کہتے تھے اس لیے انھیں اثر بھی ہوتا تھا یہ وجہ ہے کہ خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے بقول مولانا شبلی نعمانی:

"عرب میں چوں کہ شاعری کی ابتدا اظہار جذبات سے ہوئی تھی اس لیے سب سے پہلے شاعری کی ابتدا مرثیہ سے ہوئی جو سب سے قومی تر جذبہ کا اثر ہے۔ اگر دور جاہلیت کے بیشتر

معروف شعراء کے ہاں مرثیے ملتے ہیں لیکن خنسا اور متمم نے اس ضمن میں بہت شہرت حاصل کی ہے دونوں نے اپنے بھائی کی وفات پر مرثیہ کہا ہے جب کہ موخر الذکر سے حضرت عمر نے اپنے مرحوم بھائی زید کا مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی تھی عرب کے مرثیے زیادہ تر شخصی نوعیت کے مرثیے تھے عرب مراثی میں جو پہلی اجتماعی نصنیف وجود رکھتی ہے وہ حسان بن ثابت کی ہے جو رسول خدا ﷺ کی وفات پر کہے گئے مرثیوں کی تصنیف ہے۔"(۷)

اس کے کچھ عرصے بعد کربلا کا قیامت خیز زمانہ آتا ہے۔ اکسٹھ ہجری کو نواسہ رسول حضرت امام حسینؑ کو دشت نینوا میں بھوکا پیاسا شہید کر دیا جاتا ہے۔ اس سانحے کے متعلق جوش و خروش سے مرثیے کہے جاسکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس فقدان کا سبب بنی امیہ کا وہ جبر تھا کہ زباں بندی کر دی گئی تھی۔ اس بابت مولانا شبلی نعمانی کی یہ بات حالات کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس دلخراش واقعے کی متعلق مرثیہ کہنے کی روایت تاریخ میں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ عبل خزاعی اور فرزدق جیسے لوگوں کے نام عربی مرثیہ کی تاریخ میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ جوش نے چودہ سال کی عمر میں پہلے مشاعرے میں شرکت کی۔ جوش نے نظمیں غزلوں کے ساتھ ساتھ سے ۱۹۴۷ء تک فلمی گیت لکھے۔

جوش ملیح آبادی کے مرثیوں میں اسلامی تشخص نہایت واضح اور گہرا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے مرثیوں محض کربلا کے غم و اندوہ کا بیان نہیں بلکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات، عقائد اور اخلاقی اقدار کے ترجمان ہیں۔ جوش نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی قربانی کو اسلام کی بقا کی اور حق کی سربلندی کی علامت کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک واقعہِ کربلا کوئی تاریخی حادثہ نہیں بلکہ ایسا روحانی اور اخلاقی درس ہے جو قیامت تک کے لیے مسلمانوں کو راہِ حق پر قائم رہنے کی دعوت دیتا ہے جوش کے مرثیوں میں توحید، عدل ، صبر ، قربانی، جہاد اور ایمان جیسے اسلامی اصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں وہ امامِ حسین کی قربانی کو اِس جدوجہد کی تکمیل سمجھتے ہیں جو نبی کریم نے باطل قوتوں کے خلاف شروع کی تھی ان کے نزدیک حسین کا قیام در اصل اسلام کی روح کو زندہ کرنے کی کوشش تھی۔ یعنی حسین کی قربانی نے اسلام کو نئی زندگی عطا کی۔ اہل بیت کی عظمت اور ان کا روحانی مقام جوش کے مرثیوں میں خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ وہ امام حسین کو محض ایک مظلوم شخصیت کے طور پر نہیں بلکہ قرآن و سنت کے محافظ اور اسلامی روح کے ترجمان کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اہل بیت کی جدوجہد دراصل اس اسلام کی پاس داری جو عدل و مساوات اور انسانیت کا درس دیتا ہے۔

جوش کے مرثیے ظلم و باطل کے خلاف جہاد کا پیغام بھی دیتے ہیں ان کے ہاں یزیدیت ایک شخص کا واقعہ نہیں بلکہ ہر دور کی باطل قوتوں کی علامت ہے جبکہ حسینیت حق عدل اور آزادی کا استعارہ ہے وہ اپنے اشعار کے ذریعے امت مسلمہ کو ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور حق کے ساتھ ڈٹ جانے کی ترغیب دیتے ہیں مرثیوں میں جوش نے صبر و استقامت، وفا، ایثار، اور قربانی جیسے اخلاقی اوصاف کو نہایت موثر انداز میں اجاگر کیا۔ یہ اوصاف حسین اور ان کے رفقاء کے کردار کے ذریعے سامنے آتے ہیں تاکہ امت ان سے سبق حاصل کرے اور اپنی زندگی میں ان اقدار کو اپنائے جوش کے مرثیے قرآنی آیات، اسلامی اصطلاحات اور نبی کریم کے ارشادات سے مزین ہیں۔

ان کی شاعری میں صرف جذباتی رنگ نہیں بلکہ فکری اور دینی گہرائی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ کربلا واقعے کو ایک دینی اور فکری انقلاب کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ جو اسلام کے تشخص اور ایمان کی قوت کے ساتھ انسانیت کی سربلندی کا مظہر ہے یوں جوش کے مرثیے اسلامی تشخص کے ایک روشن باغ کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں اسلام کی روح، ایمان کی حرارت اور ظلم کے خلاف جہاد کا جذبہ

پوری شدت سے جھلکتا ہے۔ ان کے مرثیوں کا بنیادی مقصد صرف سوگ نہیں بلکہ امت مسلمہ کو بیدار کرنا ایمان کو تازہ کرنا اور اسلام کی اصل قدروں کی یاد دہانی کرانا ہے۔ جوش اپنے مرثیوں میں کربلا کا تعارف کرواتے ہوئے اس عظیم واقعے کو محض رونے یا رلانے کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ ظلم کے خلاف مزاحمت کے طور پر استعمال کرتے ہیں:

اک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا
اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور و یکتا

حالات بھی کچھ ان کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا
اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو پلٹا

فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسین ابن علی تھا(۸)

اسلامی تشخص کے حوالے سے جوش کے مرثیے جہاں رونے رلانے کا کام کرتے ہیں وہیں ایک نئی فکر اور کربلا کو انقلابی فکر سے پیش کرنے میں اولین درجہ رکھتے ہیں۔ جوش کے مرثیوں میں جہاں باقی تمام عناصر اور عوامل شامل ہیں وہیں اسلام اور اسلامی شعائر، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی ثقافت، اسلامی کردار، اسلامی روایات کا سمندر کوزے میں بند کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ کا تعارف کرواتے ہوئے کہتے ہیں کہ تاریخ کے حریت پسندوں کو پڑھنے کا خیال آیا تو سب سے پہلے حسین ذہن میں آئے ظلم کے خلاف قیام میں بڑے بڑے لوگ سامنے آئے لیکن جس انداز سے ظالم کو امام حسینؑ نے للکارا وہ آپ ہی کا خاصہ ہے یہی وجہ ہے حریت پسندوں کا نام ذہن میں آتے ہی جو ہستی سب سے پہلے دماغ میں آتی ہے وہ امام حسینؑ کی ذات ہے:

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تونے
سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تونے

وہ کون سا غم تھا جو اٹھایا نہیں تونے
بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا نہیں تونے

دامان وفا ، گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا(۹)

اسلامی تشخص میں کربلا کا حقیقی پیغام باطل کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونے کا ہے کربلا حق اور باطل میں امتیاز کرنے کا نام ہے ہمیں کربلا سے سبق ملتا ہے کہ ظلم کی چوکھٹ پر سر نہیں جھکانا چاہیے چاہے جتنی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے حسین شناسی ہمیں یہ بات سکھاتی ہے کہ ظلم کے خلاف کھڑا ہونا چاہیے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس راستے میں شدید رکاوٹیں ہیں تنہائی ہیں لیکن یہ سب کچھ برداشت کرنا ہے ظالم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے ظالم کے خلاف مزاحمت کرنی ہے۔ شہادت امام حسینؑ اس بات کی

عکاس ہے کہ سچ کا راستہ تیروں تلواروں کی چھاؤں میں بھی نہیں چھوڑنا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلم کے خلاف جتنی دیر سے کھڑے ہوگے اتنی زیادہ قربانی دینا پڑے گی جوش امام عالی کی قربانیوں کا ذکر کر کے انسان کو یہ درس دے رہے ہیں کہ جو بھی صورت حال ہو ظلم کو قبول کرنے سے انکار کرنا ہے:

بیدرد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا
کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا

ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
ٹھوکر ہے یہ وہ جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا

وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے
اے خاک بتا زرو یزید آج کہا ہے؟(۱۰)

ہر عہد جب کسی کو اقتدار ملتا ہے تو وہ سب کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اسلامی تشخص میں انسان کو جب اقتدار ملتا ہے تو اس کا اصلی روپ سامنے آتا ہے پتہ چلتا ہے وہ کس درجہ انسان دوست ہے کتنا علم پرور ہے یا عام حکمرانوں کی طرح اپنے اقتدار کے نشے میں دھت ایک جاہل حاکم ہے نشہ اقتدار بھلا دیتا ہے کہ ظلم کی حکومت نہیں چک سکتی ظلم اذیت ناک ہوتا ہے لیکن اس کی عمر تھوڑی ہوتی ہے، ظلم جب بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کاغذ کی کشتی میں بیٹھ کر سفر کیا جا سکے بالکل اسی طرح انسان سے دھوکہ کر کے اس کے افکار پر پابندی لگا کر انسان کسی صورت دلوں تک رسائل حاصل نہیں کر سکتا ظلم ایک ٹھوکر ہے جس کی ذد میں ظالم سب سے پہلے آتا ہے کائنات کو تہ تیغ کر کے اپنے نفس کی تسکین کرنے والے شہنشاہوں کا نام سوائے نفرت کے کہاں ہے؟

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ

کیوں چپ ہے؟ اسی شان سے پھر چھیڑو ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ

مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر شخص حسین ابن علی ہو(۱۱)

جوش اس بند میں اسلامی تشخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ کربلا وہ عظیم واقعہ ہے جس نے اسلامی تشخص اور اسلامی شعائر کو پوری دنیا میں روشناس کرایا۔ کربلا صرف کثرت و قلت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ وہیں انقلاب کی بنیاد ہے۔ کربلا انسان کو یہ فکر دیتی ہے کہ تخت و تاج سے مرعوب ہونے کی بجائے حق کی طرف کھڑا ہونا چاہیے کیوں کہ دنیا کے تمام طاقتور ظالم انسان مر گئے لیکن حق آج بھی اپنی جگہ قائم ہے جوش کربلا کو محض ایک قصہ پارینہ سمجھ کر رونے کی بجائے حریت و انقلاب کی بنیاد گردانتے ہیں۔ جوش کے

نزدیک اگر وہ تمام محرکات جو کربلا بپا ہونے کا سبب ہیں آج زمانہ موجود میں پائے جائیں تو ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اسوہ امام حسینؑ پر عمل کرے:

نوع بشر پے ہے جو عقوبت نہ پوچھئے
سفاک زندگی کی شقات نہ پوچھئے

جورد حیات کو جبر مشیت نہ پوچھئے
کتنا رفیق ہے دل قدرت نہ پوچھئے

سو سال اگر خزاں کے تو دو دن بہار کے
قرباں ہجوم راحت پروردگار کے (۱۲)

جوش نے یہ مرثیہ اس وقت کہا ہے جب مقبوضہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک اپنے عروج پر ہے۔ حریت پسندی کے اس جہان میں جوش زمانے کی اس تبدیلی کو کربلا سے جوڑ کر تحریک حاصل کرنے پر ابھارتے ہیں۔ جوش مرثیے کے ذریعے کربلال کے آفاقی اور انقلابی پیغام کو آگے پہنچاتے ہیں۔ اس بند میں جوش ملیح آبادی نے انسان کی آزادی کو موضوع سخن بنایا ہے اور یہ نا صرف ایک فرد کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یہ آزادی پوری قوم یا پورے اسلام کی آزادی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تاریخ دے رہی ہے یہ آواز دم بدم
دشت ثبات و عزم ہے دشت بلا و غم

صبر مسیح و جرات سقراط کی قسم
اس راہ میں ہے صرف ایک انسان کا قدم

جس کی رگوں میں آتش بدر و حنین ہے
اس سورما کا اسم گرامی حسین ہے (۱۳)

اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے تشخص کی کئی لاجواب مثالیں موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ کا ہر صفحہ بہادروں کی داستانوں سے چھلک رہا ہے۔ وہ لوگ جو زندگی نذر گزار کے خاک کی چادر تانے سو گئے مرجع خلائق جہاں ٹھہرے۔ ان کی لحد انقلاب کا استعارہ اور ان کا نام انسانی فکر کی معراج ٹھہرا۔ مصیبتوں کے دشت بے گیاہ میں انسان کے مفاد میں جان دینے والے حسین ہوں یا یوتان کے عاقل سقراط، حریت فکر نے دونوں سے جلا پائی ہے۔ فکر کی بلندی کو دوام بخشے اور عقل کی حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ آزادی انسانی سماج کے لیے حسینؑ کی فکر روشن چراغ ہے۔ جس سے استفادہ کرنے کے لیے کسی مذہب رنگ نسل کی کوئی قید نہیں ہے۔

عالم میں ہو چکا ہے مسلسل یہ تجربہ
قوت ہی زندگی کی رہی ہے گرہ کشا

سر ضعف کا رہا ہے ہمیشہ جھکا ہوا
ناطاقتی کی موت ہے طاقت کا سامنا

طاقت سی شے مگر بخل و بد نصیب تھی
ناقتی حسین کی کتنی عجیب تھی(۱۴)

جوش اس بند میں اسلامی تشخص کے حوالے سے مساوات کے تذکرے بڑی عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلام میں مساوات کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے گو کہ طاقت انسان کو رعب و دبدبہ عطا کرتا ہے مگر بے جاطاقت بعض اوقات آپ کے لیے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ طاقت ہمیشہ برسر اقتدار رہی ہے۔ حصول اقتدار کے لیے اس نے تمام طریقے استعمال کیے۔ جہل کو اعصابنایا یا نسلی تفاوت کی انگلی تھامی، چاہے مذہب کی پوشاک پہنی یا نفرت کی بنیاد پر امارت حاصل کی تاہم طاقت حکومت کرتی رہی۔ طاقت کے مقابلے میں ضعف عاجز رہا ہے۔ کثرت قلت پر حاوی رہی ہے لیکن ہمیں حریت پسندوں کی تاریخ میں یہ ساری باتیں الٹ ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں تیر و تلوار کے مقابلے میں اذہان ہوتے ہیں اور ابدان کے مقابلے میں فکر ہوتی ہے۔

پانی سے تین روز ہوئے جس کے لب نہ تر
تیغ و تبر کو سونپ دیا جس نے گھر کا گھر

جو مر گیا ضمیر کی عزت کے نام پر
ذلت کے آستاں پہ جھکایا مگر نہ سر

لی جس نے سانس رشتہ شاہی کو توڑ کر
جس کے کلائی موت کی رکھ دی مروڑ کر(۱۵)

اسلامی تشخص کے حوالے سے اس بند میں بیان کیا گیا ہے کہ فکری آزادی آپ کو انسانی خواہشات میں الجھنے نہیں دیتی ہے۔ آزاد مرد اپنے آپ کو کسی کا غلام نہیں بناتا۔ حریت پسندوں میں جاں لٹانے کا جذبہ اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات لوٹنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ موت کائنات کی تلخ چیز ہے لیکن حریت انسان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتی ہے کہ انسان موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے سامنے ہمت و شجاعت کا ترانہ پڑھ سکتا ہے۔ ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح ایک آزاد انسان ہی دے سکتا ہے جب یہ جسم بنا ہی موت کے لیے ہے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم تلواروں پر جا پڑیں یا تلواریں ہمارے اوپر:

یہ صبح انقلاب کی ہے جو آج کل ہے ضو
یہ جو مچل رہی ہے صبا پھٹ رہی ہے پو

یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو
در پردہ یہ حسین کے انفاس کی ہے رو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو(۱۶)

ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانا اسلامی تشخص یا اسلام کا لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب جب بھی باطل سر اٹھاتا ہے تو اہلِ حق اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایمان کی طاقت سے انھیں نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ امام حسینؑ کا قیام کائنات کے عظیم انقلاب کا چہرہ ہے۔ قیام امام نے یہ ظلم کی ناک رگڑنے کے ساتھ ساتھ ہر مظلوم کو اُمید کی راہ دکھائی ہے۔ ہر شخص جو حق کا طرف دار ہو گا وہ اپنے آپ کو حسینی اور باطل کو مخالف امام حسینؑ کا نام دیتا ہے۔ امام کا قیام حق کی آواز اور جرات و دلیری کی مثال ہے۔ جرات و بہادری کے لیے تعداد کی قطعی ضرورت نہیں کی حقیقی مثال امام حسینؑ کا قیام ہے۔ اُردو اَدب کی تمام اصناف میں اسلامی تشخص میں انقلاب اہم ترین حیثیت رکھتا ہے اسی حوالے سے مرثیہ گوئی میں بھی یہ عنصر تمام مرثیہ گوؤں کے ہاں نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ مرثیوں میں انقلاب کی بازگشت ہمیں جوش کے ہاں بھی نظر آتی ہے۔ سب سے پہلے کربلا کو حریت کے حوالے سے متعارف کروانے میں جوش کا مقام نظر آتا ہے۔ ضمیر اختر نقوی "اُردو مرثیہ پاکستان میں "جوش کے حوالے لکھتے ہیں:

> "مرثیوں سے ہمیشہ کام آنسوؤں اور آہوں کا لیا گیا اور کسی ایک مرثیہ گو نے بھی اس جانب توجہ مبذول نہیں کی ہے کہ حسین کے کردار کو پیش کر کے مومنین کو یہ سبق دے کر دیکھو اگر تم حسینی ہو تو خبر دار باطل کی طاقت کے سامنے کبھی سر نہ جھکانا اور فرمانروایان دہر کو خاطر میں نہ لانا۔"(۱۷)

کردار حسینی کا تقاضا ہے کہ باطل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی بجائے اس کے خلاف سینہ سپر رہنا ہے:

ہاں خاتم حیات ابد کا نگیں ہے تو
گردون گیر و دار کا مہر مبیں ہے تو

اک زندہ حد فاصل دنیا و دیں ہے تو
کونین کا تخیل عہد آفریں ہے تو

پھر دشت جنگ کو ہے ترا انتظار اُٹھ
اُٹھ روزگار تازہ کے پروردگار اُٹھ(۱۸)

اس بند میں اسلامی تشخص کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کہنے کو تو اکسٹھ ہجری میں ہوئی ہے لیکن فکر کربلا ہر دور کے لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ جہاں جہاں ظلم ہو گا اور حریت کے پروردہ ظلم کے خلاف بر سر پیکار رہیں گے ان کا پیشوا و ہادی امام حسینؑ ہی ہوں گے۔ ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو ہر شخص کو سیرت امام پر عمل پیرا ہونا چاہیے:

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسوی صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار

پھر نائب یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوع بشر دو چار

اے زندگی جلال شہ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزم حسین دے(۱۹)

شاعر اسلامی تشخص کے حوالے سے اس بند میں بیان کرتا ہے کہ دنیا میں ظلم کی سطوت ہو یا عدل کی قلت یہ تمام امور اپنی نوعیت میں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب امام حسینؑ نے یزید کے خلاف قیام کیا تو امام کے مقابلے میں ایک یزید تھا لیکن عصر نو میں ہم دیکھتے ہیں انسان کو سیکڑوں یزیدی کرداروں سے مقابلہ ہے۔ یہ کردار کہیں حکومت میں ہیں تو کہیں کسی اور طریقے سے انسانی فکر پر قابض ہیں۔ یزید ان عصر کی گرفت سماج پر پہلے سے زیادہ ہے ان شاہ مشرقین کے ماننے والوں کو اپنے اندر افکار حسینی اور کربلائی کردار کو اجاگر کرنا انتہائی ضروری ہے دنیا ہر آن ایک نئی کشمکش کا شکار ہے اب بھی ہر قدم ہر ایک بدر ایک حُنین سے سامنا ہے حریت پسندوں کو چاہیے کہ اسی طرح آگے بڑھتے چلیں اور کائنات کو تسخیر کر لیں سنت حیدری پر عمل کریں اور دور جدید کا خیبر اکھاڑ پھینکیں موجودہ زمانے میں جہاں ہر کام پر ایک میدان کارزار گرم ہے ہر قدم پر ظلم سے سامنا ہے اس وقت ظلم سے نمٹنے کے لیے واحد حل یہی ہے کہ دربار میں حاضر خدمت ہونے کی بجائے سر بھیجا جائے۔ اسوہ شبیری پر عمل کیا جائے۔ حسینؑ ڈٹ جانے کا نام ہے۔ ظلم و بربریت کے خلاف مستقل قیام کا نام ہے:

آفاق کا نچوڑ ہے سلمائے زندگی
تجھ کو ہر ایک روپ میں رہنا ہے آدمی

دور اپنی اصل سے کوئی ہوتا نہیں کبھی
یہ دین و نسل و رنگ کی باتیں ہیں بعد کی

تو سب سے بیشتر لفظ انسان ہے نہ بھول
انساں کے بعد گیر و مسلماں ہے یہ بھول(۲۰)

انسان کائنات میں کتنے اجسام کتنے اذہان اور کتنے ادیان میں تقسیم ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسانیت ایک ایسی صفت ہے مشترک ہے جو کسی تفکر میں الگ نہیں ہے۔ جوش ملیح آبادی اُردو کے ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی شاعری کو محض فن کے اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ملتِ اسلامیہ کے فکری، انقلابی اور تہذیبی شعور کے بیدار کرنے کا ذریعہ بنایا۔ ان کی مرثیہ نگاری اسی نظریہ کی آئینہ دار ہے۔ جوش کے مرثیے روایتی نوحہ گری اور محض رقت انگیزی تک محدود نہیں بلکہ اسلامی تشخص اور فکری بیداری کا بھرپور درس دیتے ہیں۔ ان کے مرثیوں کا مرکزی حوالہ واقعہِ کربلا ہے مگر وہ اس واقعے کو محض ایک تاریخی سانحہ کے طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ اسے اسلام کے ابدی پیغامِ حریت، عدل اور توحید کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ یہی پہلو ان کے مرثیوں میں اسلامی تشخص کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جوش کے مرثیوں میں بنیادی اسلامی عقائد یعنی توحید، رسالت، عدل اور قیامت کا تصور بڑی شدّت سے موجود ہے۔ امام حسینؑ کی قربانی کو وہ دینِ اسلام کے استحکام کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کربلا کی جنگ دراصل حق و باطل کا ابدی معرکہ ہے جس میں حسینؑ کی کامیابی اسلام کے اصل پیغام یعنی توحید اور عدل کی سربلندی ہے۔ جوش یہ واضح کرتے ہیں کہ اگر امام حسینؑ کا کردار نہ ہوتا تو اسلامی تہذیب محض ایک سیاسی نظام بن کر رہ جاتی۔ ان کا یہ شعور اسلامی تشخص کو محض مذہبی رسومات سے آگے لے جا کر فکری اور اخلاقی اصولوں سے جوڑتا ہے۔

جوش کے مرثیے قرآنی آیات، احادیث اور اسلامی تاریخ کی تلمیحات سے لبریز ہیں۔ وہ صبر ایوب، صدقِ ابراہیم، شجاعتِ حیدر اور تقویٰ و طہارتِ فاطمہؑ جیسے استعارے استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام حوالہ جات پڑھنے والے کے ذہن میں براہِ راست اسلامی تہذیب کی جھلک پیدا کرتے ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں خطیبانہ جوش اور دینی حرارت شامل ہے جس سے مرثیے کی روحانی تاثیر کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اس انداز نے مرثیے کو محض ایک ادبی فن پارہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسلامی فکری میراث کا حصہ بنا دیا۔ جوش کے نزدیک کربلا کا پیغام وقت اور مقام کی قید سے آزاد ہے۔ وہ اسے ظلم کے خلاف بغاوت اور حق و صداقت کی سربلندی کا استعارہ قرار دیتے ہیں۔ یزیدی طاقت ان کے ہاں صرف تاریخی کردار نہیں بلکہ ہر دور کے استبداد کی علامت ہے۔ اس طرح ان کے مرثیے مسلمانوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ حسینیت دراصل ایک طرزِ فکر اور طرزِ عمل ہے جسے ہر عہد میں زندہ رکھنا ضروری ہے۔ یہ تصور اسلامی تشخص کو محض ماضی پرستی نہیں بناتا بلکہ اسے ایک مسلسل تحریک کی شکل دیتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کے مرثیے صرف غمِ کربلا کے بیان تک محدود نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے حال پر تنقید اور اصلاح کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ وہ مسلم معاشرے کی زوال پذیری پر کڑھتے ہیں اور حسینؑ کے کردار کو بطور مثال پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان اپنی اصل شناخت اور مقصدِ وجود کو یاد رکھیں۔

ان کے نزدیک حسینیت محض ایک مذہبی یادگار نہیں بلکہ ظلم کے خلاف اجتماعی شعور کا منبع ہے۔ یہ پیغام اسلامی تشخص کو زندہ رکھنے کی عملی راہ دکھاتا ہے۔ اگرچہ جوش نے مرثیے کی روایتی ہیئت سے استفادہ کیا، لیکن ان کا اسلوب محض نوحہ خوانی یا مرثیہ خوانی تک محدود نہیں۔ ان کی شاعری میں خطابت، فلسفہ اور اصلاحی پیغام کی گونج سنائی دیتی ہے۔ وہ جذباتی مرثیے کے ساتھ ساتھ عقلی اور فکری استدلال پیش کرتے ہیں جس سے اسلامی تعلیمات کا ہمہ گیر تصور ابھرتا ہے۔ اس طرح جوش کے مرثیے اسلامی تشخص کے ایک ایسے پہلو کو سامنے لاتے ہیں جس میں دین صرف عبادات تک محدود نہیں رہتا بلکہ سماجی عدل، معاشرتی مساوات اور انسانی آزادی کا ضامن نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، جوش اکیڈمی، کراچی: ۱۹۷۰ء، ص:۴۱

۲۔ احتشام حسین، سید، مضمون: جوش ایک تعارفی مطالعہ، مشمولہ: افکار جوش، کراچی: ۱۹۹۰ء، ص:۱۰

۳۔ جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، جوش اکیڈمی، کراچی: ۱۹۷۰ء، ص:۳۰

۴۔ ایضاً، ص:۲۷

۵۔ نسیم، مرتضیٰ حسین، مرتبین: جدید نسیم اللغات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: ۱۹۸۱ء، ص:۸۸۸

۶۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ نیشنل اکادمی، دلی: ۱۹۷۴ء، ص:۳۲۰

۷۔ شبلی نعمانی موازنہ انیس و دبیر، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، دلی: ۲۰۱۱ء، ص:۴۱

۸۔ نقوی، ضمیر اختر، اُردو مرثیہ پاکستان میں، سید اینڈ سنز، کراچی: ۱۹۷۲ء، ص:۱۱۹

۹۔ جوش ملیح آبادی، جوش کے مرثیے، مرتب: ضمیر اختر نقوی، ادارہ فیض ادب، کراچی: ۱۹۸۱ء، ص:۵۱

۱۰۔ ایضاً، ص:۶۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۶۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۷۰

۱۳۔ جوش ملیح آبادی، جوش کے مرثیے، مرتب: ضمیر اختر نقوی، ادارہ فیض ادب، کراچی: ۱۹۸۱ء، ص:۷۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۴۵

۱۵۔ جوش ملیح آبادی، عروسِ اَدب، مرتب: عین الحق، طاہر سنز، لاہور: ۱۹۸۴ء، ص:۲۹۳

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۹۴

۱۷۔ نقوی، ضمیر اختر، اُردو مرثیہ پاکستان میں، سید اینڈ سنز، کراچی: ۱۹۷۲ء، ص:۱۱۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۲۹۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۲۹۹

۲۰۔ ایضاً، ص:۳۰۰

۲۱۔ جوش ملیح آبادی، جوش کے مرثیے، مرتب: ضمیر اختر نقوی، ادارہ فیض ادب، کراچی: ۱۹۸۱ء، ص:۱۵۰

References in Roman Script:

1. Josh Malihabadi, Yaadon Ki Baraat, Josh Academy, Karachi: 1970, P:41
2. Syed Ehtesham Hussain, Mazmoon: Josh Ek Taarufi Mutalia, Mashmoola: Afkar-e-Josh, Karachi: 1990, P:10
3. Josh Malihabadi, Yaadon Ki Baraat, Josh Academy, Karachi: 1970, Page 30
4. Ibid, P:27
5. Naseem, Murtaza Hussain, Murattib: Jadeed Naseem-ul-Lughat, Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore: 1981, P:888
6. Syed Ahmad Dehlvi, Farhang-e-Asfiya, National Academy, Delhi: 1974, Page 320
7. Shibli Nomani, Mauzana Anees o Dabeer, Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zuban, Delhi: 2011, p: 41

8. Naqvi, Zameer Akhtar, Urdu Marsiya Pakistan Mein, Syed & Sons, Karachi: 1972, P:119
9. Josh Malihabadi, Josh Ke Marsiye, Murattib: Zameer Akhtar Naqvi, Idara Faiz-e-Adab, Karachi: 1981, P:51
10. Ibid, P:63
11. Ibid, P: 68
12. Ibid, P: 70
13. Josh Malihabadi, Josh Ke Marsiye, Murattib: Zameer Akhtar Naqvi, Idara Faiz-e-Adab, Karachi: 1981, P:79
14. Ibid, P: 45
15. Josh Malihabadi, Aroos-e-Adab, Murattib: Ain-ul-Haq, Tahir Sons, Lahore: 1984, P:293
16. Ibid, P: 294
17. Naqvi, Zameer Akhtar, Urdu Marsiya Pakistan Mein, Syed & Sons, Karachi: 1972, p: 113
18. Ibid, P:297
19. Ibid, P: 299
20. Ibid, P: 300
21. Josh Malihabadi, Josh Ke Marsiye, Murattib: Zameer Akhtar Naqvi, Idara Faiz-e-Adab, Karachi: 1981, P:150